☆ آغا عبدالمالک

شریعت اسلامیہ اور قانون کے مقاصد
(عصر حاضر کے تناظر میں)

مقاصد قانون:

کیا قانون پتھر ہے یا مقصدیت و غایت پر مبنی ہے؟ کیا قانون کی سماجی افادیت کا اعتبار ضروری ہے؟ کیا قانون کی حیثیت محض نظری اور فلسفیانہ ہے۔ جس کی عملی افادیت نہیں ہے؟ کیا قانون مقتدر اعلیٰ کا فرمان ہے جسے جبراً نافذ کیا جاتا ہے؟ کیا قانون محض حکم سے عبارت ہے۔ جس کی بے چوں و چرا اطاعت و پیروی ضروری ہے۔ یا اسے چیلنج بھی کیا جا سکتا ہے؟ کیا قانون اندھے کی لاٹھی ہے؟ کیا اسلامی قانون میں مقاصد کے بغیر احکام کی کوئی حیثیت ہے؟ کیا فقہ اسلامی میں احکام و مقاصد آپس میں مربوط ہیں یا متصادم؟ کیا شریعت اسلامیہ کی اساس حکمت و مصلحت پر ہے یا نہیں؟ یہ وہ بنیادی نوعیت کے سوالات ہیں جو قانون اور شریعت کے مقاصد کے حوالے سے ہر عقلمند انسان کے ذہن میں ہمہ وقت گردش کرتے ہیں۔

قدیم دور کے منوشاستر، کوڈ جسٹینین اور قانون حمورابی جیسے قوانین ہوں یا عصر حاضر کے ترقی یافتہ مغربی قوانین، دونوں طرح کے قوانین مقاصد و اہداف کے اعتبار سے اختلافات اور افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ اہداف و مقاصد قانون کے حوالے سے افراط و تفریط کے شکار ہیں ایک میں شخصی مصلحت تصور ہے دوسرا اجتماعی مصلحت پر مبنی ہے اسی طرح دو بڑے الہامی مذاہب یہودیت اور نصرانیت بھی قانون کے مقاصد کے اعتبار سے افراط و تفریط کے شکار ہیں تورات میں محض قانون کا درس دیا جاتا ہے اور انجیل میں محض اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے قانون کی مقصعیت و افادیت کے لحظ سے اہل مغرب طبقات میں منقسم ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو مجرد نظیریہ قانون کے حامل ہے۔ جس کی نظر میں قانون مقتدر اعلیٰ فرمان ہے۔ قانون کا کام یہ ہے کہ حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس کا کام یہ نہیں کہ انصاف سے کام لیا جائے یہ گروہ اثباتیت پسندوں (Positivists) کا ہے جب کہ دوسری جماعت فطرت پسندوں (Naturalists) پر مشتمل ہے جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قانون کا ہدف سماجی فلاح و بہبود اور تلاش عدل ہے۔ قانون محض حکمران مطلق کا فرمان نہیں بلکہ یہ سماجی فلاح و بہبود کی خاطر سوسائٹی کی طرف سے نافذ کیا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مغرب میں دو طرح کے مفکرین موجود رہے ہیں (1) مذہبی اسکالر اور (2) آزاد خیال مفکرین۔ سیکولر رجحانات کی نمائندگی کرنے والے بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جو قانون کی مقصدیت کے داعی ہیں جب کہ کچھ مجرد نظریہ قانون کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مذہبی رجحانات رکھنے والوں میں سے

☆ شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

لارڈ وڈینگ (Lord Denning) اور لفریڈ ڈیولن (Alfred Devlin) کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ جو قانون کی افادیت پر زور حامی ہیں۔ یہ وہ عیسائی مفکرین تھے، جن کے نزدیک قانون اور اخلاق کا اصل سرچشمہ مذہب ہے۔

-1 (Positivism اثباتیت)

اس مسلک کے علمبرداروں نے جابرانہ تصور قانون پیش کیا ہے۔ جن کے خیال میں ایک منظم معاشرہ محض وعظ ونصیحت اور اصول اخلاق سے درست نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی اصلاح کے لئے جبری اور قطعی قوانین کا نفاذ ناگزیر ہے۔ جسے ایک منظم طاقت کی مدد حاصل ہو۔ تھامس (Thomas) نے ہر دو مکاتب کے نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"The debate between Naturalists, who claim that law is best explained by reference to Natural moral principles --------- and posotivists, who claim that law is best understood formally as a system of orders, commands, rules and so forth, enforced by forec." (1)

ترجمہ : فطرت پسند اور اثباتیت پسند مکاتب فکر میں بحث

فطرت پسندوں کا کہنا یہ ہے کہ قانون کی بہترین انداز میں اس طرح تشریف کی جا سکتی ہے کہ اس کا مطالعہ فطری اخلاقی اصولوں کے حوالے سے کیا جائے جب کہ اثاتیت پسندوں کے خیال میں قانون ایک با قاعدہ نظام ہے۔ جس میں فرامین، احکامات، قواعد وغیرہ شامل ہیں جنہیں بذریعہ قوت نافذ کیا جاتا ہے۔

قانون کی سماجی افادیت:

اثباتیت پسندوں (Positivists) نے انسان کو خودغرض حیوان قرار دیا ہے۔ اس مکتب فکر کے قدیم ترین شارحین وہ یونانی سوفسطائیہ (Sophists) معلم تھے، جنہوں نے انسان کو خودغرض حیوان قرار دیا تھا۔ بعد میں اس نظریے کا پرچار ہابس (Hobbes)، آسٹن (Austin)، بلیک سٹون (Black Stone)، ہالینڈ (Holland)، ہنز کیلسن (Hans Kelson)، راسکو پاؤنڈ (Roscoe Pound)، ہارٹ (Hart)، راز (Raz) وغیرہ نے کیا۔ چنانچہ اس نظریے کا موجود ہبس (Habbos) کا نقطہ نظر یہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

"Hubbes, a philosopher of the 7th century, A. D. was founder of the theory that man is by nature a selfish animal; he is not a social animal and finds nothing but grief in the company of his fellow

human beings. "(2)

(سترہویں صدی کا فلسفی ہابس اس نظریہ کا موجد تھا کہ انسان طبعی طور پر ایک خودغرض حیوان ہے۔ وہ ایک معاشرتی حیوان نہیں ہے اور سے اپنے جیسے انسانوں کی صحبت سے سوائے غم کے کچھ نہیں ملتا)

ہابس (Hobbes) نے قانون کی سماجی افادیت سے انکار کیا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ انسان چونکہ طبعاً خودغرض واقع ہوا ہے اور وہ ایک سماجی حیوان نہیں ہے اس لئے اس کو ایسے جبری قانون کی ضرورت ہے جو کسی بالاتر کی مرضی سے بنا ہو۔

-1 گویا اس نے قانون کو حکمران مطلق کا حکم قرار دیا ہے۔ جان آسٹن (Austin) بھی مطلق نظریہ قانون کے قائل ہے۔

-2 اس نے قانون کی اخلاقی جہت سے انکار کیا ہے۔ اس کے خیال میں قانون مقتدر اعلیٰ کا حکم ہے۔

"Austin has permanently affected British Jurisprudence by emphasizing the command aspect of Law and points out tht the Law is a command of the sovereign." (3)

ترجمہ:-

(آسٹن نے ہمیشہ کے لئے برطانوی اصول قانون کو اس طرح متاثر کیا، کہ قانون کے جبری پہلو کو اختیار کیا اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قانون مقتدر اعلیٰ کا حکم ہے)

ہنز کیلسن (Hans Kelson) نے بھی مجرد نظریئہ قانون کی تائید کی ہے۔ چنانچہ اس نظریئے کی تشریح اس نے یوں کی ہے:

"By determining Law - so far as it is the subjective of a specific science of Law - as norm, it is delimited against nature; and science of Lat against natural science. But in addition to Legal norms, there are other norms regulating the behaviour of men to each other --------- there other social norms may be called morality" (4)

(قانون کے تعین کے سلسلے میں جہاں تک بنیادی اصولوں کے طور پر قانون کی خصوصی سائنس کی موضوعیت کا تعلق ہے۔ اس کی فطرت سے علیحدہ حد بندی کر دی گئی ہے اور قانونی سائنس اور فطری سائنس کی علیحدہ درجہ بندی کی گئی

ہے۔لیکن قانونی اصولوں کے علاوہ دیگر اصول بھی ہیں جو انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ رویوں کو منضبط کرتے ہیں۔ یہ دیگر سماجی اصول اخلاق کہلاتے ہیں)

پس ہنز کیلسن (Hans Kelson) چونکہ مجرد نظریہ قانون کا مبلغ ہے۔اس لئے وہ قانون کی مقصدیت کا قائل نہیں ہے۔قانون اور اخلاق کے باہمی رشتے کا مخالف ہے۔جیسا کے جسٹس تنزیل الرحمان نے لکھا ہے:-

''مشہور انقلابی مفکر کیلسن (Hans Kelson) اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا مخالف ہے اس کے خیال میں اخلاقیات محض ایک موضوعی (Subjective) چیز ہے۔اس لئے اس کو قانون کے سائنسی مطالعہ میں بحیثیت معروضی شامل نہیں کیا جاسکتا''۔ (5)

اس تصور قانون یعنی اثباتیت (Positivism) کی خامی یہ ہے کہ اس میں قانون کی غرض و غایت اور مقصدیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔قانون فرمان شاہی جسے جبری طور پر نافذ کیا جاتا ہے۔اس لئے اس ہدف پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"It (Lw) lys down rigid rules which must be obeyed with out questioning whether they are rigid or wrong. Its finction is to keep order, nor to do justice. " (6)

(قانون جامد قواعد وضع کرتا ہے جن کی اطاعت بہرصورت کی جانی چاہئے خواہ وہ درست ہوں یا غلط۔قانون کا کام یہ ہے کہ حکم کی تعمیل کی جائے نہ کہ انصاف سے کام لیا جائے۔

فطریت (Naturalism)

اس مکتب فکر نے قانون کی مقصدیت و غایت پر حد درجہ زور کیا ہے۔ان کے نزدیک قانون اور اخلاق آپس میں مربوط ہیں۔قانون میں اخلاقی عنصر بہرصورت شامل ہے۔قانون کو انصاف کے تعلق سے پہچانا جاتا ہے۔قانون کا منشاء محض دینا نہیں بلکہ اصلاح ہے۔اس مسلک کے سرخیل حکمائے یونان یعنی سقراط، افلاطون اور ارسطو گزرے ہیں۔ادوار مابعد میں مغربی ماہرین قانون و اخلاق نے بھی اس نقطہ نظر کو اپنایا مثلاً رچرڈ ہوکر (Hokker) سیوگنی (Savigny)، گرے (Gray)، فرائڈ مین (Fried Man) اور سالمنڈ (Salmond) وغیرہ بھی حکمائے یونان کے ہم خیال رہے ہیں۔

افلاطون نے قانون کی مقصدیت کو اجاگر کیا۔یہی سبب ہے کہ اس نے جبری تصور قانون کی مخالفت کی تھی۔ (7)۔ارسطو نے بھی قانون کی مقصدیت پر زور دیا تھا۔اس کی نظر میں وقت قانون سازی شہریوں کی فلاح و بہبود اور سماجی انصاف کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔(8) ارسطو کے نزدیک انسان ایک معاشرتی جانور ہے اور مل جل کر رہنا اس کی گھٹی میں

شامل ہے۔

"But Aristotle's general rule that man without a society is either a beast or a good will stil hold true." (9)

(اس کے باوجود ارسطو کا یہ کلیہ اب بھی درست ہے کہ سماج کے بغیر انسان حیوان ہے یا دیوتا)

موصوف کے خیال میں فرد اور معاشرہ لازم وملزوم ہیں۔اس لئے معاشرتی نظم وضبط اور سماجی انصاف کے لئے عادلانہ قانون لازمی ہے۔اس کے نزدیک قانون کا مقصد قیام عدل ہے۔اگر کوئی قانون عدل وانصاف کے قیام میں مدد معاون ثابت نہ ہوتو اس کی جبری تنفید کا کوئی فائدہ نہیں۔پس جب یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ فرد اور معاشرے کا آپس میں گہرا تعلق ہے تو حقوق کی حفاظت ،معاملات کی درستگی اور ایک منظم اجتماعی زندگی کے قیام واستحکام کی خاطر ایک ایسا قانون لازمی ہے جو مبنی برعدل ہو۔چنانچہ مسلم مفکر ابن سینا نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

"انه من المعلوم ان الا نسان يفارق سائر الحيوانات بانه الا يحسن معيشته لو انفر درحده شخصياً واحد يتولى تدبير مره من غير شريك يعاونه يلى ضروريات حاجته ..... فاذاكان هذا ظاهره فلاهد في وجود الا نسان و بقائده من مشاركته ولا تتم المشاركه الا بمعاملة كما لا بد في ذلك من سائر الا سباب التي تكون له ولا بدفي المعا ملة من سنة و عدل (10) "

(انسان کا باقی تمام حیوانات سے اس بناء پر ممتاز ومنفرد ہونا معلوم ہے کہ تنہا اپنی ضروریات حیات کی تکمیل نہیں کرسکتا بلکہ اجتماعی زندگی گزارنا اس کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مشارکت وتعاون لازم ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کے صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں)

حکمائے یونان کے علاوہ بہت سے مغربی ماہرین قانون وعمرانیات نے بھی قانون کی افادیت کی ضروری قرار دیا ہے۔مثلاً اخلاقیاتی مکتب فکر (School of Ethical Jurisprudence) نے بھی قانون کی سماجی افادیت پر زور دیا ہے۔جس کے خیال میں قانون کی مقصدیت معاشرے میں حق وصداقت اور اخلاقی قدروں کی ابھارنا ہے چنانچہ اس مکتب فکر کا نقطہ نظر یوں کیا گیا ہے:

"This branch of jurisprudence confines itself to be study of the purposes of the law and whether they are fulfilled by the existing Law, and, if it is deficient in this respect, what modifications are

needed to enable it to fulfil its objected." (11)

(اصول قانون کی یہ شاخ دیکھتی ہے کہ قانون کی مقصدیت پور زیادہ زور دینا چاہئے۔ اس مکتبہ فکر کے ماننے والوں کے خیال میں قانون کی افادیت معاشرے میں وصداقت، امن وسکون، انصاف اور اخلاقی اقدار کو ابھارنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ مقصد موجودہ قانون سے پورے ہوتے ہیں اور اگر اس میں کچھ خامیاں ہیں تو ان کے دور کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے)

مشہور مغربی قانون سالمنڈ (Salmond) نے قانون کی تعریف میں اخلاقی عنصر پر زور دیا ہے۔ اس کے خیال میں قانون کے نفاذ کا مقصد عدل ہے جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

"Law is defined as the body of principles recognied and applied by the state in the administration of justice. " (12)

(قیام عدل کے لئے ریاست کی جانب سے مسلم اور نافذ شدہ اصولوں کے مجموعے کا نام قانون ہے) دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف (Salmond) نے ایک طرف قانون کی مقصدیت کی بھرپور حمایت کی ہے دوسری جانب اس نے مذہب کو بطور سرچشمہ قانون ماننے سے انکار کیا ہے اور مذہب کی تاریخ ماخذ قرار دیا ہے۔ (13)

حاصل کلام یہ کہ قانون کی مقصدیت کے حوالے سین قدیم وجدید ماہرین قانون وعمرانیات، مذہبی اسکالرز، دانشور، مفکرین اور فلاسفہ کی آراء باہم مختلف اور متصادم دکھائی دیتی ہیں۔ من جملہ ایک مکتب فکر وہ ہے جس نے قانون کا حکمیہ نظریہ پیش کیا ہے جب کہ ایک دوسرے مسلک کے شارحین نے قانون کی حکمت ومصلحت پر زور دیا ہے چنانچہ اس مسلک کے مبلغین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں سے ایک جماعت حکمائے یونان اور مغربی دانشوروں کی ہے، جنہوں نے قانون کی سماجی افادیت کی بات تو کی ہے لیکن ان کے نظریات قانون چونکہ محض انسان ذہن کی تراشیدہ ہیں اور وحی کی دستگیری سے یکسر محروم ہیں اس لئے ناقص ہیں کیونکہ انسانی خواہشات اور ذاتی مفادات کا قانون پر اثر انداز ہونا ایک فطری عمل ہے، جس کے نتیجے میں اجتماعی فلاح وبہبود کئی مقامات پر نظر انداز ہو جاتی ہے۔ جس کی تلافی قدرتی انصاف کے قانون (Law of Natural Justice) کے نفاذ سے کرنا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں جن عیسائی مذہبی اسکالرز اور مفکرین مثلاً لارڈ ڈیننگ (Lord Dinning) اور لفریڈ ڈیولن (Alfred Devlin) وغیرہ نے قانون کی مقصدیت وافادیت پر زور دیا ہے اور مذہب کو بطور سرچشمہ قانون تسلیم کیا۔ ان کے نظریات تاریخی اعتبار سے قابل عمل اور وقیع نہیں رہے ہیں کیونکہ سیکولر رجحانات رکھنے والے مفکرین کے تصورات ونظریات کا ہمیشہ ان پر غلبہ رہا ہے۔ دور حاضر میں بھی ان کے افکار ونظریات پر عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک تو ماقبل کی شرائع (یہودیت، عیسائیت وغیرہ) ظہور اسلام سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب (یہودیت و

عیسائیت) میں اس قدر ترمیم وتبدیل ہوئی ہے کہ اب وہ مذاہب اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہے ہیں جب کہ اس کے علی الرغم اسلامی قانون کی اساس وحی الٰہی پر ہے جسے حق سبحانہ وتعالیٰ نے وضع کیا ہے جو تمام بشری کمزوریوں سے پاک ہے۔ اسلامی قانون کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ تغیر وتبدیل سے بھی پاک رہا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے ذمے لی ہوئی ہے مثلاً اسلامی قانون کا پہلا بنیادی سرچشمہ قرآن حکیم ہے جو شروع سے لے کر، تا حال محفوظ رہا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے ذمے لی ہوئی ہے مثلاً اسلامی قانون کا پہلا بنیادی سرچشمہ قرآن حکیم ہے جو شروع سے لے کر، تا حال محفوظ رہا ہے۔ قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ سنت نبوی ﷺ ہے یہ بھی محفوظ رہا ہے غرض یہ کہ حق تعالیٰ چونکہ حکیم مطلق ہے اور پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے یہی سبب ہے کہ شریعت اسلامیہ کا ایک ایک حکم اور ایک ایک دفعہ مبنی بر حکمت ومصلحت ہے

1- مقاصد شریعہ:

شریعت اسلامیہ اپنے مجموعی تشریعی فکر میں مقصدیت وغائیت پر استوار ہے۔ تبصریح علامہ آمدی:

"ان الا حکام انما شرعت الماصد العباد" (14)

ترجمہ: (احکام شرعیہ بندوں سے متعلق مقاصد کی تکمیل کے لئے وضع کئے گئے ہیں)

امام شاطبیؒ اس سلسلے میں یوں قمطراز ہیں:

"تکالیف الشریعة ترجع الی حفظ مقاصد ها فی الخلق" (16)

ترجمہ: (شریعت اسلامیہ کے تمام احکام واوامر شارع کے مخلوق سے متعلق مقاصد کی حفاظت ورعایت پر مبنی ہیں)

اسلامی قانون میں احکام وفرامین بالذات مقصود نہیں بلکہ حصول مقاصد کے ذرائع ہیں جیسا کہ موصوف (شاطبی) نے ایک اور مقام پر اس نکتے کے وضاحت کی ہے۔

"ان الا عمـال الشرية ليست مقصودة الا نفسها، وانما قصد بها امور اخرهی معانيها، وهی المصالح التی شرعت لا جلها" (16)

ترجمہ: (شریعت کے احکام واعمال بالذات مقصود نہیں ہیں بلکہ ان کے ذریعہ کچھ دیگر امور ومعانی کا تحقق مقصود ہے یہ امور ان مصالح سے عبارت ہیں جن کی خاطر احکام شرعیہ کو وضع کیا گیا ہے۔

علامہ آمدی، امام شاطبی کا ہم خیال ہیں چنانچہ اس نے لکھا ہے۔

ترجمہ: مشروعیت احکام بالذات مقصود نہیں بلکہ ان کے نتائج وآثار پر مبنی ہے جو مقاصد عباد سے متعلق ہیں) مقاصد کے بغیر احکام کی کوئی حیثیت نہیں اور تکمیل مقاصد کا دارومدار شرعی احکام پر ہے۔ لہٰذا اسلام میں احکام و

مقاصد متصادم اور مختلف نہیں ہیں بلکہ آپس میں مربوط ہیں۔ڈاکٹر فتحی الدرینی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"ان الحکم و حکمه تشریعه فی التشریع الا سلامی مقترنان متکاملان ، فکلا هما من وضع الشارع الحکیم وکلا هما شرع وقانون" (18)

ترجمہ: شریعت اسلامیہ میں حکم اوراس کی تشریعی حکمت دونوں مربوط اور متکامل ہیں کہ دونوں ایک ہی شارع حکیم کے وضع کردہ ہیں اور دونوں مل کر اسلامی قانون کی تشکیل کرتے ہیں۔

فقہی اصول وکلیات:

اسلامی قانون کے اصول وقواعد سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہ شریعت اسلامیہ کی اساس مقصدیت وافادیت پر ہے۔ فقہ اسلامی میں کام مقاصد کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:

1- ''الامور بمقاصدھا'' (19)

(ہر بات میں اس مقصد دیکھا جائے گا)

سلیم رستم باز نے اس فقہی کلیے کی تشریح میں لکھا ہے۔

"ان الحکم الذی یترتب علی امریکون علی مقتضی ماهر المقصود من ذلك الا مر" (20)

ترجمہ: جو حکم کسی امر میں دیا جائے گا اس کی بنیاد اس مقصد پر ہوگی جو اس کام سے مقصود تھا)

دفع ضرورت سے متعلق فقہی قواعد حسب ذیل ہیں:

2- "لا ضرور لا ضرار" (21)

3- الصر ریزال" (22)

(ضرار کا ازالہ ہونا چاہئے)

4- "اضرر الا شدید ال بالضرر الا خفف" (23)

(شدید ضرر کا ازالہ نسبتاً ضرر سے کیا جائیگا)

دفع فساد سے متعلق قواعد فقہیہ حسب ذیل ہیں:

5- "در ، المفاسد اولی من جلب المنافع" (24)

مصالح حاصل کرنے سے زیادہ مقدم مفاسد دفع کرنا ہے۔

6- "یختار اهون الشرین" (25)

دو برائیوں میں سے کمتر برائی کو اختیار کیا جائیگا

رخصت واستثنی سے متعلق فقہی کلیہ:

7- "الضروريات تبيح المحظورات" (26)

(ضرورت ممنوع چیزوں کی مباح کر دیتی ہے)

8- "المشقة تجلب للتيسير" (27)

(مشقت سہولت لاتی ہے)

اس مقاصد کو فقہاء نے کلام پاک کی اس آیت کریمہ سے اخذ کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يريد الله يكم اليسر ولا بكم العسر" (28)

(اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ چاہتا ہے تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا)

فقہ اسلامی میں ہر معاملہ میں مقصد و معنی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ و تمہید کا عتبار نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہی قاعدہ ہے۔

9- "انما يتنبى الحكم على المقصودالا على ظاهر اللفظ" (29)

(حکم اصل مقصود پر مبنی قرار پاتا ہے ظاہر لفظ پر نہیں)

غرض یہ کہ فقہی کلیات و اصول کے اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی قانون کے فقہی اصول و قواعد کی اساس بھی مقصدیت افادیت پر مبنی ہے۔

اخلاقی بحیثیت غایت قانون:

اسلامی نظام حیات کا ایک حقیقی جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مقصدیت اور مصلحت ہی تمام اسلامی احکامات و تعلیمات کی بنیاد ہے ابن قیم نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔

"ان الشريعة مبنا ها واس سها على الحكم و مصالح العباد فى المعاش و المعاد" (30)

(شریعت اسلامیہ کی اساس حکمتوں اور لوگوں کے دنیاوی و آخروی مصالح پر ہے)

عزیز الدین ابن عبدالسلام نے بھی دین اسلام کی مقصدیت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"ان البدين كلها مصالح امادر، مفاسد او جلب منافع" (31)

(شریعت اسلامیہ سراسر مصلحت سے عبارت ہے جتنے بھی شرعی احکام ہیں ان کا مقصد یا دفع ضرر ہے یا حصول منافع)

احمد مصطفیٰ زرقانے مقاصد شریعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

1- اسلام کے تین اصلاحی اساسی اور مرتب اہداف ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ماقبل کا نتیجہ اور مابعد کے لئے بنیاد ہے۔

2- شریعت کے اہداف میں یہ بات شامل ہے کہ فرد کی نفسیاتی، اخلاقی اعتبار سے اصلاح کی جائے اور خیر و بھلائی اور نیکی کے کاموں کی طرف اس کی توجہ کروائی جائے تاکہ اس کی شہوت و خواہشات اس کی عقل اور اس کے فرائض پر غالب نہ آجائیں۔ (32)

بنیادی طور پر انسان کو پانچ چیزوں کی حفاظت کی اشد ضرورت ہے (1) حفاظت جان (2) تحفظ مال (3) تحفظ عزت و آبرو (4) حفاظت نسل (5) تحفظ عقل۔ اسلام میں ان پانچوں چیزوں کی حفاظت کے اصول دو قوانین موجود ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ کے نزدیک اسلامی قانون میں حکمت و مصلحت، کلیات خمسہ کی حفاظت سے عبادت ہے، یعنی شریعت اسلامیہ میں مصلحت، مقاصد شارع کی حفاظت کا نام ہے اور شارع کو مخلوق کے پانچ امور کی حفاظت مقصود ہے۔ دین، نفس، نسل اور مال (33)

حد قصاص کی مقصدیت:

اسلام میں سزائیں مقصود نہیں ہیں بلکہ حصول مقاصد کا ذریعہ ہیں چنانچہ حد قصاص کی حکمت و مصلحت قرآن حکیم میں یوں بیان ہوئی ہے۔

"ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الا لباب (34)

(اور بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقل والو)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرمایا رسول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک حد کو قائم کرنا چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے'' (35)

حاشیہ پر مرقاۃ کے حوالے سے اس کی تصریح یوں کی گئی ہے۔

''کیونکہ اس حد کی قائم کرنے میں لوگوں کو گناہوں سے ڈانٹنا ہوتا ہے اور برکات الٰہی کے دروازوں کے کھلنے کا سبب ہے اور لوگوں کے مال ضائع اور ہلاکت سے بچانا ہے'' (36)

عقائد و عبادات کی مقصدیت:

اسلامی نظریہ حیات کے بعض اہم اجزاء مثلاً ایمانی عقائد عبادات اور معاملات وغیرہ سے بھی مقاصد شریعہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عقیدہ توحید کی افادیت:

عقیدہ توحید کی پختگی سے ایک مسلمان کے اندر خوداری، عزت نفس، طہارت نفس، قناعت اور بے نیازی، عزم وحوصلہ، صبر وتوکل، بہادری اور اطاعت دین وغیرہ جیسے اعلیٰ اخلاقی صفات جنم لیتے ہیں اور اس سے انسان کی دل سے تمام برے جذبات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جیسے طمع، لالچ، مایوسی کی، بے صبری، خودغرضی اور پست ہمتی وغیرہ (37) بقول احمد مصطفیٰ زرقاء ''اسلام نے عقیدہ اور ایک اللہ پر ایمان کے تصور کے ذریعہ عقل برہان کے تحت علمی سوچ عطا کی ہے'' 38

عقیدہ توحید سے آدمی ہر قسم کے خوف اور ڈر سے نجات پالیتا ہے اور اس سے ہر قسم کے طبقاتی اور نسلی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔

عقیدہ رسالت مقصدیت:

عقیدہ رسالت یعنی رسولوں پر ایمان لانا، دین اسلام کا دوسرا بنیادی اصول ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں سرکار دوعالم ﷺ کی بعثت کا مقصد تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفس ارشاد فرمایا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

"یتلو علیهم آیتة ویز کیهم ویعلمهم الکتاب والحکمته" (39)

(وہ ان کو اللہ پاک کی باتیں سناتا اور ان کو پاک وصاف بناتا اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے)

گویا لوگوں کو پاک وصاف کرنا آپ ﷺ کی فرائض منی میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل بتایا:

"انما بعثت لا تمم مکارم الا خلاق" (40)

(مجھے اس لئے معبوث کیا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کو پائیۂ تکمیل تک پہنچادوں)

اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی بعثت کا ایک مقصد یہ بتایا:

"انما بعث معلما" (41)

(مجھے معلم بنا بھیجا گیا ہے)

آپ ﷺ کو رحمت للعلمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔

"وما ارسلناك الا رحمته اللعلمین" (42)

(اور آپ کو ہم نے سارے جہانوں کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

عقیدہ آخرت کی مقصدیت:

عقیدہ آخرت سے انسان کے اندر خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی، جزا وسزا

اور ذمہ داری کے جذبات واحساسات بھی ابھرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"واتقو الله واعلمو انکم ملقوه" (43)

(اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے)

"نار جهنم اشد حرا" (44)

(جہنم کی آگ دنیا کی گرمیوں سے زیادہ سخت ہے)

"فمن يعمل مثقال ذرة خير ايره و من يعمل مثقال ذرة شرا يره" (45)

(تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کریگا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا)

عبادات:

حق سبحانہ وتعالی نے انسانوں کو محض اپنی عبادت اور بندگی، اس کا عرفان حصول، تقوی، تہذیب نفس اور مکارم اخلاق کی تکمیل ہے چنانچہ فرمان الٰہی:

''اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم کو تقوی حاصل ہو'' (27)

نماز:

نماز کی مقصدیت قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے۔

''بلاشبہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔ (49)

روزہ:

رمضان کے روزوں کی مقصدیت پرہیز گاری بتائی گئی ہے۔

''تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقوی دار بنو'' (50)

علاوہ ازیں روزے کے عام فوائد کثیر ہیں مثلاً صحت پر اچھے اثرات، جفاکشی کی تربیت، غریبوں کی بھوک کا احساس وغیرہ

زکوۃ:

قرآن وحدیث میں زکوۃ کے تین اہم مقاصد بیان ہوئے ہیں۔

1- تزکیہ نفس

2- امداد باہمی

3- دین کی نصرت

چنانچہ زکوۃ کا ایک مقصد تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وسیجنبھا لا تقی 0الذی یوتی مالہ یتزکی" (50)

(اس شخص کو جہنم سے دور رکھا جائیگا جو خدا سے ڈرنے والا ہو اور جو اپنے تزکیہ کی خاطر دولت دوسروں کو دیتا ہو)

حج:

حج کا مقصد بھی انسان کے اندر للٰہیت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

"واتمو الحج و المعرہ اللّٰہ" (51)

(حج اور عمرہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کرو)

"لیشھدو امنافع لھم" (52)

(تا کہ وہ اپنے نفع کی جگہ حاضر ہوں)

"و من دخلہ کامن امناً" (53)

(اور جو شخص اس میں (حرم) میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا)

پس حج مساوات، اتحاد و اتفاق، عجز و انکساری، بندگی اور اجتماعیت و یکجوئی کا اعلیٰ مظہر ہے۔

معاملات:

معاملات کی اساس بھی مقصدیت و افادیت پر مبنی ہے مثلاً نکاح کو لیجیے جو اسلام کی معاشرتی نظام کا ایک اہم شعبہ ہے۔ یہ مرد و زن کے درمیان حقوق و فرائض کا ایک قانونی معاہدہ ہے۔ جس کی پابندی دونوں فریق پر بہر صورت لازم ہے۔ جس کے ذریعے سے پاک دامنی اور پاکیزگی جیسے اخلاق حسنہ انسان کے اندر جنم لیتے ہیں۔ یہ عصمت فروشی، بے حیائی اور فحاشی وغیرہ جیسے اخلاق ذمیمہ کے خاتمے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

چنانچہ عصر حاضر کے ایک عالم دین نے فلسفہ نکاح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نکاح ان غیر محرم عورتوں کی طرف بنظر شہوت دیکھنے سے مانع ہے جو اکثر و بیشتر حالات میں اس کے لئے حلال ہوتی ہیں۔ (یعنی اس سے شادی کرنا اس کے لئے حلال ہوتا ہے) لہٰذا اگر وہ اس خوبی و فضیلت کی مخالفت کرے گا تو اس کا نتیجہ دو طرح کے نقصان کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

1- اس طرح وہ ایک بہت برا اور گھٹیا حرکت کا ارتکاب کرے گا۔

2- اس سے اس کے اور اس شخص کے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا ہو جائے گی۔ زنا اور بدکاری کے ساتھ جس کی عزت و آبرو کو اس نے پامال کیا ہوگا۔ زنا کو رواج دینے سے نظام عالم تہ و بالا ہو جائے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ آنحضرت

ﷺ نے فرمایا جس نے شادی کر لی اس نے اپنے نصف دین کی حفاظت کا اہتمام کر لیا اور باقی نصف میں بھی اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔" (54)

نتیجہ بحث:

قوانین خواہ وہ قدیم دور کے ہوں یا دور جدید کے ترقی یافتہ مغربی قوانین ہوں، دونوں طرح کے قوانین غایت قانون کے اعتبار سے اختلافات شکار ہیں مغربی فلاسفہ اور ماہرین قانون و خلاق کے مابین حد درجہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن میں سے دو مکاتب فکر بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔ یعنی اثباتیت پسند اور فطریت پسند ، اثباتیت پسندوں (Positivsts) نے قانون کی مقصدیت سے سریحاً انکار کیا ہے جب کہ فطریت پسندوں (Naturalists) نے قانون کی مقصدیت وافادیت کا نظریہ اپنایا ہے علاوہ ازیں ایک اور زاویہ سے انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی مغربی اور اشتراکی۔ مغربی قانون میں محض فردی مصلحتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جب کہ اشتراکی قانون کی اساس محض اجتماعی پر ہے۔ دو بڑے الہامی مذاہب، یہودیت اور نصرائیت بھی غائیت قانون کی اساسی محض اجتماعی پر ہے جب کہ اس کے علی الرغم شریعت اسلامیہ مقاصد واہداف کے اعتبار سے جامع، متوازن اور مکمل قانون ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے ۔ اسلام کا ہر قانون اور اسلامی قانون کا ہر حکم اور ہر دفعہ مقصدیت و غایت پر مبنی ہے۔ فقہ اسلامی میں ہر بات اس کا مقصد دیکھا جاتا ہے یعنی جو حکم کسی امر میں دیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد اس مقصد پر ہوتی ہے جو اس کام سے مقصود ہے پس مقصد و غایت ہی تمام اسلامی احکامات و تعلیمات کی اساس ہے۔ تمام شریعت مصالح و مقاصد سے عبارت ہے جتنے بھی شرعی احکام ہیں ان کا مقصد حصول نفع ہے یا دفع ضرر۔

حوالہ جات

1. Motawets, Thomas, The Philwsophy of Law. Collier Macmillan Publishers, London, 1980, p. 38

2. Salmond, Jurisprudence, P. J., Fitzgerland, P. L. D. publishers, Lahore, N. D. P. 29.

3. Paul Bohannan, Law and Legal Institutions, DAvid L. Sills Editor, International Encyclopedia of the Social Sciences, 9/73

4. Kelson, Hans, Pure Theory of Law, University of California, Bakerkiley, Los Angles, London, 1978, P. 59

5- تنزیل الرحمٰن، جسٹس، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، ۲/۱۱

6. Denning, Alfred, The Changing Law, Stevens and Sons Linited, London, 1953. P. 99.

7. M. P. Golding, Philosopy of Law, History of, Paul Edwards, Editer in Chief, The Encyclopedia of Philwsophy, 6/255.

8. Ibid

9. Lillie, Wiolliam, Introduction to Ethicns. National Book Foundation, Islamabad, 1982, P. 239

10- ابن سینا الشفاء، (الالھیات) ایران، انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۴۳ھ، ص ۱۴۴

11. Salmond, Jurisprudence, P. J. Fitzgerland, P. 4

12. Ibid, P. 36

13- آمدی، ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دارالکتب، العامیہ

14- ۱۹۸۰/1400ء، ۱۱۲/۴

15- شاطبی ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ اللخمی، الموافقات فی اصول الشر، مصر، المکتبۃ التجارہ الکبریٰ، ۸/۴

16- ایضاً ۲/۸۵۳۔

17- آمدع، الاحکام فی اصول الاحکام، ۲/۳۶۰۔

18- فتحی الدرینی، ڈاکٹر نظریہ التعسف فی استعمال الحق، بیرورت موسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱، ص ۱۵

19- ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم (م ۹۷۰ھ)، الاشباہ والنظائر، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۳ء، ص ۲۲

20- سلیم رستم باز اللبنانی (م ۱۵۸۹ھ) شرح المجلۃ ... احیاء التراث العربی، ۱۳۰۵ھ، ص ۱۷

21- اعضاء شوریٰ الدولۃ العثمانیہ، مجلۃ ... عدلیہ، بیروت المطبعۃ الادبیہ، ۱۹۲۳، ص ۱۸

22- ایضاً

23- ایضاً، ص ۱۹

24- ایضاً

25- ایضاً

26- ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۹۴

27- اعضاء شوریٰ الدولتہ العثمانیہ، مجلتہ الاحکام العدلیہ، ص ۱۸۔

28- البقرۃ ۲: ۱۸۵۔

29- ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۲۲

30- ابن قیم، ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الزرعی الحنبلی (م ۷۵۱ھ)، اعلام الموقعین، دار الجیل بیروت۔

31- ابن عبدالسلام، عز الدین السلمی (م ۶۶۰ھ) قواعد الاحکام فی مصالح الانام، دار الجیل، ۱۴۰۰ھ، ۹/۱۔

32- الزرقا، احمد مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی فی ثوبۃ الجدید، دمشق، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴ء، ۳۲/۱۔

33- غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، المستصفیٰ من علم الاصول، مصر، ۲۴۶/۱۳۰۲۔

34- البقرۃ ۲: ۱۷۹۔ ۳۲۳